تجارتِ عرب قبل از اسلام

ضیاء الحق، فیلو ادارہ تحقیقاتِ اسلامی

جزیرہ نما عرب کی جغرافیائی حالت

جغرافیائی لحاظ سے جزیرہ نما عرب افریقہ اور ایشیا کے براعظموں کے درمیان ایک نہایت اہم خطے میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں شام، شرق اردن، مشرق میں عراق اور ایران اور شمال مغرب میں مصر اور بحیرۂ روم کے اُس پار جنوبی یورپ ہیں۔ جنوب مغرب میں وہ بلادِ حبشہ اور سومالیہ سے بحیرۂ احمر کے ذریعہ متصل ہے۔ جنوب میں بحرِ ہند اسے برصغیر ہند و پاکستان سے علیحدہ کرتا ہے۔ قرونِ وسطیٰ کے آغاز سے ہی عرب ایران، حبشہ اور رومی سلطنت عالمی تجارت کے اہم مراکز بن چکے تھے لیکن مشرقِ بعید میں تجارتی سیادت عربوں کے ہاتھ میں ہی رہی۔ بقول پروفیسر ہٹی، عرب ازمنہ قدیم کی طرح آج بھی عالمی تجارتی شاہراہوں کے مالک ہیں۔ (۱)

ہمارے اس مضمون کے دو موضوع ہیں۔ اول۔ عربوں کے بین الاقوامی تجارتی تعلقات جو اسلام سے قبل بیرونی منڈیوں سے تھے۔ دوئم۔ جزیرہ نما عرب کے اندرونی بین العلاقائی تجارتی تعلقات جن کا عالمی تجارت سے بھی گہرا تعلق تھا۔ جن عام مسائل سے ہم یہاں بحث کریں گے، وہ یہ ہیں:۔ وہ کون سے عوامل تھے جن کی بنا پر عربوں کی مقامی اور بیرونی تجارت کا ارتقاء روایتی تجارتی راستوں پر ہوا اور کس طرح یہ تجارت قرونِ وسطیٰ کے آغاز میں عروج پر پہنچی۔ تجارتی قافلوں کی تنظیم کس طرح ہوئی تھی۔ تجارتی سرمایہ کاری کا کیا عام طریقہ رائج تھا اور ان قافلوں کی حفاظت کا کیا بندوبست ہوتا تھا۔ نیز ظہورِ اسلام سے قبل عرب میں جو ابتدائی قسم کی معیشت تھی، وہ کس طرح بتدریج ترقی کر کے تجارتی معیشت میں تبدیل ہو رہی تھی۔ ہم یہ بھی دیکھیں گے کہ کس طرح یہ حالات ایک طاقتور تاجر طبقے کی تخلیق میں کارفرما تھے جو کہ تامینِ تجارت (PROTECTIONISM) کے نظریات کا حامل تھا۔ یہ تاجر اس طرح سرگرمِ عمل تھے کہ وہ عرب کی تجارت کے ایک بڑے حصہ۔ زمین اور سرمائے کے کثیر وسائل اور مالیات کے شعبے پر۔ چھائے ہوئے نظر آتے ہیں۔

یہ سوال بھی زیرِ بحث آئے گا کہ عرب کی علاقائی تجارت کا تمام تر دار و مدار بیرونی تجارت پر کیوں منحصر ہو گیا تھا۔ بایں ہمہ ہم بغور مطالعہ کریں گے کہ اس تجارت میں عرب تاجروں کا عملی کردار کیا تھا۔ وہ کن اشیاء کی تجارت کرتے تھے۔ کون سے تجارتی راستوں اور شاہراہوں کو استعمال میں لاتے تھے۔ کن علاقوں اور منڈیوں تک ان کی رسائی تھی۔ اور اُن کی تجارتی تنظیموں کے کیا اسلوب اور طریقے تھے۔

جزیرہ نما عرب ایک وسیع و عریض اور غیر آباد ریگستان ہے۔ اس کے مغرب میں پہاڑوں کا ایک سلسلہ شمال سے جنوب کی طرف چلا گیا ہے، جس کی بلندی بعض مقامات پہ دس ہزار فٹ تک پہنچ جاتی ہے۔ جنوب مغرب کے اس پہاڑی سلسلے خصوصاً یمن کے بعض علاقوں میں بارش کی سالانہ اوسط بیس انچ سے بھی تجاوز کر جاتی ہے۔ یہاں شہری زندگی پائی جاتی ہے۔ یہی وہ خطہ ہے جہاں جنوبی عرب کی قدیم مملکتوں نے زرعی معیشت کو حیرت انگیز طور پر ترقی دی۔ آبپاشی کے جدید طریقوں کی ترویج کی اور وہ زراعت کو اپنی معیشت کی مضبوط اساس بنانے کے بعد عالمی تجارت میں اثر و نفوذ بڑھانے میں کامیاب ہوئیں۔ ان کی دولت و امارت ضرب المثل بن گئی تھی۔ اسی لئے متقدمین اہلِ روم اس عرب خطے کو (ARABIA FELIX) کہتے تھے۔ شمال مغرب میں پہاڑوں کے سلسلے اور مشرقی ساحل کے علاقوں میں بھی سالانہ بارش پانچ سے دس انچ تک ہو جاتی ہے۔ معاشی نقطۂ نظر سے یہ خطہ بھی اہم ہے اور شہری زندگی یہاں بھی ممکن ہے۔ جہاں تک جزیرہ نما کے باقی حصّے ہیں، اُن میں بارش نہ ہونے کے برابر ہے۔ اور انسانی زندگی کا تمام تر دار و مدار نخلستانوں اور کنوؤں پہ ہے۔ یہ علاقے صحرا اور میدانوں پر مشتمل ہیں۔ جنوب میں الربع الخالی ہے اور شمال میں النفود کے ریگستان ہیں جہاں بعض اوقات حیاتِ انسانی کا وجود مشکل ہو جاتا ہے۔ جزیرہ نما عرب کے بیشتر علاقے صحرا اور بیابان ہیں، جہاں موسمی بارشوں پر خانہ بدوش بدو لوگوں کی زندگی کا انحصار ہے۔

عام معاشی حالت

مذکورہ بالا وجوہات کی بنا پر قدرتی وسائل جزیرہ نما عرب کے تمام حصوں میں غیر مساوی طور پہ پھیلے ہوئے ہیں۔ اور اس طرح حیاتِ انسانی کی بقاء کا رشتہ اشیاء کے باہمی تبادلے اور اُن کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے سے بہت گہرا ہو جاتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ قلت و احتیاج کے ابدی مسئلے کو حل کرنے کی تگ و دو میں عرب کی علاقائی تجارت بہت پہلے وجود میں آ چکی تھی۔ روز افزوں انسانی احتیاجات کے نتیجے میں اشیاء اُن کے پیداوار کے علاقوں سے اُن علاقوں کی طرف لے جائی جانے لگیں، جہاں وہ کم یاب تھیں اور جہاں اُن

کی مانگ تھی۔ بارش کے نہ ہونے اور زمین کے بنجر ہونے کی وجہ سے خشک سالی اور قحط جزیرہ نما عرب کی عام خصوصیات تھیں۔ مشہور مؤرخ ابن جریر الطبری (المتوفی ۳۱۰ھ) لکھتے ہیں کہ ایک بار جب مکہ کے بنو قریش قحط سالی کا شکار ہوئے تو رسول اکرمؐ کے پردادا ہاشم فلسطین گئے اور وہاں سے (قریش کے لئے) آٹا خرید کر لائے۔ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے قریش کے لئے دو تجارتی سفروں کی رسم کا آغاز کیا۔ ایک تجارتی سفر موسم سرما میں (یمن کی طرف) اور دوسرا سفر موسم گرما میں (شام کی طرف)۔ (۲)

ابوالولید محمد ابن عبداللہ الازرقی (المتوفی ۲۲۳ھ) عرب کے ایک قدیم قبیلہ عمالقہ کے بارے میں جو کہ مکہ کے گردونواح میں شروع میں آباد تھا، لکھتے ہیں:۔ اپنی دولت اور خوشحالی کے باوجود یہ قبیلہ قحط کی دست بُرد سے نہ بچ سکا۔ اشیاء کی قلت کے مسئلہ کو حل کرنے کی بجائے اہلِ قبیلہ نے کعبہ کے زائرین کا اس طرح استحصال شروع کر دیا کہ وہ ان سے مکانات کا کرایہ وصول کرتے اور پانی بیچتے تھے۔ اس معاشی استحصال اور ظلم کی وجہ سے اس قبیلہ کی بنیادیں کھوکھلی ہو چکی تھیں۔ اسی لئے جب ان کے علاقے قحط کا شکار ہوئے تو وہ جنوب میں اپنے آبائی علاقوں یعنی یمن کی طرف جانے پر مجبور ہو گئے۔ (۳)

یہ بات ثابت ہے کہ جزیرہ نما کے قدرتی وسائل اور علاقائی پیداوار، اُس کی بڑھتی ہوئی آبادی کے تناسب سے بہت کم رہتی ہے، قلت و احتیاج اور آبادی کا دباؤ عربوں کو مجبور کر دیتے ہیں کہ وہ اپنے آبائی علاقوں کو چھوڑ کر ان زرخیز خطوں میں پناہ لیں جو کہ ان کے ارد گرد واقع ہیں۔ لازمی طور پر اس کا اثر یہ ہوا کہ اول تو ان کی ہجرت نئے علاقوں میں ان کی آبادکاری پر منتج ہوئی اور نئی تہذیبوں نے جنم لیا اور دوئم جزیرہ نما کی مرکزی حیثیت کی وجہ سے ان کا جو دیرینہ تعلق قدیم دنیا سے تھا، اس سے اشیاء کی تجارت کو نئے اور وسیع مواقع حاصل ہوئے۔

اونٹ جو بار برداری کے لئے ایک اہم اور تیز رفتار جانور تھا عربوں کے معاشی اور معاشرتی مقتضیات کے لئے ایک اہم وسیلہ ثابت ہوا۔ عرب تاجر تینوں برِاعظموں، ایشیا، افریقہ اور یورپ کی اشیاء کی تجارت میں مشغول نظر آتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ دنیا کے ہر حصے میں اپنا تجارتی سامان لے کر جاتے تھے۔ وہ کثیر پیداوار کے علاقوں سے سامان ان علاقوں کی طرف لے جاتے جہاں ان کی قلت تھی۔ انہیں تعلقات کی وجہ سے پورا جزیرہ نما ایک زندہ خلیئے کی حیثیت اختیار کر گیا تھا جسے معاشی جدوجہد ہر وقت متحرک رکھتی تھی۔ یہ معاشی عمل کبھی بھی ختم نہ ہونے پاتا۔ اس کا سلسلہ شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک برابر جاری رہتا۔ (۴)

ایک یونانی سیّاح اور تاجر (جو ۶۰ء میں) بحیرۂ احمر، خلیج فارس اور بحرِ ہند کی بندرگاہوں تک پہنچا، اپنی کتاب 'بحرِ احمر کی بیاض' (PERIPLUS OF THE ERYTHRAEAN SEA) میں پہلی صدی عیسوی کے جزیرہ نما عرب کے بارے میں لکھتا ہے :۔ "اس علاقے کے عین نیچے جو متصل علاقہ ہے، اسے ملک عرب کہتے ہیں۔ سمندر کے ساحل کے ساتھ ساتھ جو علاقے ہیں، وہاں اِدھر اُدھر مچھلی کھانے والوں کے غار ہیں۔ لیکن اندرونی علاقہ میں جو لوگ رہتے ہیں وہ دو زبانیں بولتے ہیں اور بستیاں اور خیمے بنا کر رہتے ہیں۔ یہ لوگ ان جہازوں کو لوٹ لیتے ہیں جو ان کے ساحل کی طرف آ نکلتے ہیں۔ اور جو جہاز ڈوب جاتے ہیں، اُن سے بچنے والوں کو غلام بنا لیتے ہیں۔" اس کے بعد وہ آتش فشاں پہاڑ سے جلے ہوئے جزیرے کا ذکر کرتا ہے۔ (جو شاید جدید مُخا کے شمال میں جبل طائر کا آتش فشاں پہاڑ ہے)۔ اس جزیرہ کے ساتھ ہی ایسے علاقے ہیں جہاں امن پسند لوگ رہتے ہیں۔ یہ خانہ بدوش ہیں۔ اور اونٹ، بھیڑ، بکریوں کے لئے وہاں چراگاہیں ہیں۔" (۵)

بعد ازاں وہ عربوں کی تجارتی سرگرمیوں کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے :۔ "ان مقامات سے آگے ایک خلیج کے بائیں طرف ساحل پر ایک بندرگاہ ہے جسے مُوزا (مُخا) کہتے ہیں۔ یہ ایک تجارتی شہر ہے جو قانونی طور پر قائم کیا گیا ہے۔ اس جگہ عرب جہاز رانوں اور ملاحوں کا ایک عظیم جمگھٹا ہے۔ اور یہ تجارت کے معاملات میں مصروف ہیں۔ یہ جہاز راں دور دور کے ساحلوں تک سامانِ تجارت لے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ باری گازا (بھڑوچ۔ ہندوستان) بھی اپنے جہازوں کو بھیجتے ہیں۔" (۶)

پہلی صدی عیسوی کے عربوں کے بارے میں یہ بیانات کہاں تک صحیح ہیں، ہمیں اس کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چلتا لیکن ان سے کم سے کم دو باتیں واضح ہو جاتی ہیں اوّل یہ کہ تجارت کے مراکز قانونی طور پر قائم تھے جیسا کہ مُوزا اور دیگر تجارتی شہروں کی مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے اور دوسرے یہ کہ عربوں کی بحری تجارت اس وقت کافی ترقی کر چکی تھی جیسا کہ بتایا گیا ہے کہ وہ تجارتی کاموں میں مشغول تھے اور اپنے مال کو ہندوستان تک برآمد کرتے تھے۔ لیکن اس کا عرب کے اندرونی علاقوں کے بارے میں یہ کہنا کہ وہاں وحشی لوگ رہتے تھے "جو ساحل سے قریب آنے والے جہازوں کو لوٹتے اور ڈوبنے والے جہازوں کے باقی ماندہ لوگوں کو غلام بناتے تھے" محض مبالغہ ہے۔ کیونکہ عرب تجارت کا اپنی اہم ارتقائی حالت میں ہونا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ کسی حد تک وہاں کے عام حالات پُرامن ہوں گے جس کے بغیر تجارت نشو و نما نہیں پا سکتی۔ یہ بات صحیح ہے کہ بدّو یعنی خانہ بدوش لوگ معاشی

حالات سے مجبور ہو کر سال کے بیشتر مہینوں میں لوٹ مار کرتے رہتے تھے۔ لیکن اہلِ عرب مذہبی لحاظ سے اشہر حرام یعنی چار حرام مہینوں کے معتقد تھے۔ بعض اوقات وہ آٹھ مہینوں کو حرام قرار دے دیتے تھے۔ ان مہینوں میں قتل و غارت حرام تھا اور اس طرح اہلِ عرب کو اپنی تجارتی سرگرمیوں کے لئے کافی مواقع میسر آجاتے تھے۔

تجارت کا ارتقاء اور تجارتی منڈیوں کا نظام

قلت و احتیاج کا مسئلہ تجارت کے فروغ کے لئے ایک نہایت ہی اہم محرک ثابت ہوا۔ اور تجارت تبادلہ زر کی ترویج و توسیع کی وجہ سے ایک تجارتی معیشت پر منتج ہوئی جس میں تاجر سرمایہ دارانہ اہمیت اختیار کرنے لگے۔ اس سے فطری طور پر ایک طرف تو اندرونی علاقوں کے مابین اور دوسری طرف جو زیادہ اہم ہے ملک عرب اور بیرونی علاقوں کے مابین نئی قسم کے تجارتی و معاشی تعلقات پیدا ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ظہورِ اسلام سے قبل ہی عربوں کی مقامی اور خارجی تجارت بہت اہمیت حاصل کر چکی تھی۔ یہ عجیب امر تھا کہ زراعت اور گلہ بانی کی معیشت کے ساتھ تجارتی مراکز پر مبنی ایک تجارتی معیشت جنم لے رہی تھی۔ یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ عرب معیشت تدریجی طور پر لیکن سست روی سے تجارتی معیشت میں تبدیل ہو رہی تھی کیوں کہ جزیرہ نما کے قدرتی وسائل روز افزوں انسانی احتیاجات کے مقابلے میں ناکافی تھے۔ زمین ایک اہم عامل پیداوار کی صورت میں کم یاب اور تھوڑی تھی اور بڑی حد تک زراعت کے لئے ناموزوں تھی۔ انہیں وجوہ کی بنا پر یہ فطری تقاضا تھا کہ عرب از منہ قدیم سے ہی تاجر، کاری گر، حمال، دلال اور جہاز راں کی حیثیتوں سے دنیا میں معروف ہوں۔ جزیرہ نما عرب کے اس تجارتی نظام میں قرونِ وسطیٰ کے آغاز سے سُوق (ج۔ اسواق) ایک معاشی ادارے کی صورت اختیار کر چکا تھا جہاں کہ اشیاء اور خدمات کی طلب اور رسد مرتکز ہوتے۔ یہ معاشی ادارہ عربوں کی معاشی اور معاشرتی زندگی میں بہت اہم کردار ادا کر رہا تھا۔ ابن منظور لسان العرب میں سوق کی تعریف اس طرح کرتے ہیں: "سوق ایک منڈی ہوتی ہے جہاں تجارت کا عمل ہوتا ہے۔ یہ اشیاء تجارت کی جگہ ہوتی ہے۔ کیونکہ لوگ اپنے سامانِ تجارت کو ہنکا کر اس جگہ لے جاتے ہیں۔ (۷)

جزیرہ نما میں ان اسواق کی ابتدا اور ان کے تاریخی پس منظر کے متعلق بہت کم حقائق معلوم ہیں۔ کلاسیکی عربی ادب ان کے آغاز اور ان کے تاریخی معاشی کردار کی کچھ وضاحت نہیں کرتا۔ قرونِ وسطیٰ کے ممتاز مؤرخین مثلاً ابوجعفر محمد ابن حبیب الازرقی، المرزوقی، ابن جریر الطبری، الیعقوبی اور الہمدانی وغیرہم مشہور اسواق کے اسماء، تجارتی اشیاء اور ان کے اوقات بیان کرنے پر ہی اکتفاء کرتے ہیں۔ ان عوامل میں دوسرا

اہم عامل مذہبی معلوم ہوتا ہے جو ان اسواق کے ارتقاء کا باعث بنا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان اسواق کی ابتدا زائرین کے ان اجتماعوں سے ہی ہوگئی تھی جو کسی مقدس مقام پر ہوتے تھے، مکہ میں واقع کعبۃ اللہ اس کی واضح مثال ہے۔ یہ شہر ایک اہم تجارتی گزرگاہ پر واقع تھا۔ یہ اجتماع، دیگر باتوں کے علاوہ، لوگوں کو ایک نادر موقعہ فراہم کرتے تھے کہ وہ اپنی احتیاجات کی تسکین و تکمیل کر سکیں۔ پرانے وقتوں میں یہ میلے اور بازار ایک عالمی مظہر تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ ان اسواق کا نقطۂ آغاز زائرین کے وہ مذہبی اجتماعات تھے جو اکثر عبادت گاہوں کے قریب ہوتے تھے۔ اسلام سے قبل مکہ میں جو کہ ایک نہایت اہم تجارتی شاہراہ پر واقع تھا، کعبہ کی اجتماعی اور مذہبی حیثیت اس کی ایک واضح مثال ہے۔ معاشی مسئلہ ابتداء ہی سے انسان کا ایک بنیادی مسئلہ رہا ہے۔ اس لئے یہ مذہبی اجتماعات زائرین کی معاشی احتیاجات کی تسکین کے مواقع بھی فراہم کرتے تھے۔ قرونِ وسطیٰ کے آغاز میں ان کا لازمی نتیجہ تجارتی میلوں اور منڈیوں کی صورت میں ظاہر ہوا۔ یہ تجارتی میلے ایک عالم گیر معاشی مظہر کی حیثیت اختیار کر چکے تھے۔ فینیقی تاجر، جو شام کے ساحل پر آباد تھے، اپنا تجارتی سامان شام، فلسطین، عراق، عرب اور مصر کے مذہبی تہواروں میں لایا کرتے تھے۔ (۸)

معاشیات کے ایک مورخ لکھتے ہیں کہ قرونِ وسطیٰ میں تاجروں اور خریداروں کے موسمی اجتماعات بہت عام تھے۔ یہ اجتماعات شہری ریاستوں کی سرحدوں پر غیر جانب دار مقامات اور عبادت گاہوں کے قریب ہوتے تھے۔ زائرین کی جماعت خریداروں کی ایک کثیر تعداد پر مشتمل ہوتی تھی۔ تحائف کا تبادلہ اور اشیاء و خدمات کا لین دین ہوتا تھا۔ یہ تصور عام تھا کہ خدا عبادت اور تجارت کا خود نگہبان ہے۔ جب مسیحیت کی اشاعت عام ہوگئی تو کلیسا نے بازاروں اور تہواروں کو خوب فروغ دیا۔ حتیٰ کہ یہ رواج عام ہوگیا کہ منڈی کے عین وسط میں ایک صلیب گاڑ دی جاتی تاکہ لوگوں کو یہ یقین رہے کہ خدا کی رحمت اور سلامتی تاجر اور اس کے سامان پر سایہ کئے ہوئے ہے۔ (۹)

ایران کے شہر بٹنی (BATNAE) میں جو فرات کے مشرقی کنارے کے قریب واقع تھا، ہر سال ستمبر کے شروع میں ایک بہت بڑا میلہ لگتا تھا جس میں ہندوستان اور چین کا مالِ تجارت بکثرت آکر فروخت ہوتا تھا۔ (ایران بعہد ساسانیاں مصنفہ آرتھر کرسٹن سین، اردو ترجمہ محمد اقبال۔ دہلی ۱۹۴۱ء صـ۱۶۵)

خود عرب میں بڑے بڑے بازار اور منڈیاں عموماً مذہبی عبادت گاہوں کے قریب لگتی تھیں۔ الازرقی کتاب اخبار مکہ میں لکھتے ہیں کہ مکے کا حج ذوالحجہ کے مہینہ میں ہوتا تھا۔ لوگ اپنے مواسم (اسواق۔ منڈیوں) کے لئے

سفر اختیار کرتے۔ جیسے ہی ذوالقعدہ کا چاند نظر آتا وہ عکاظ کی طرف چل نکلتے۔ پورے بیس دن یہ لوگ وہاں کاروبار کرتے۔ اور پھر بازارِ مجنہ کی طرف چل پڑتے۔ ذوالحجہ کا چاند دیکھ کر وہ ذوالمجاز کو جاتے اور اس کے بعد عرفات کا عزم کرتے۔ (۱۰)۔ یاقوت (المتوفی ۶۲۶ھ) بازارِ عکاظ کی ابتدائی مذہبی حیثیت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ عکاظ میں ایک بازار انبدا کے مقام پر لگتا تھا۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں حروب الفجار لڑی گئی تھیں۔ یہاں چند چٹانیں تھیں جن کے گرد اہلِ عرب طواف کیا کرتے تھے۔ (۱۱)

مواسم الحج کی اصطلاح مذہبی مضمرات کی حامل ہے۔ موسم وَسَم سے مشتق ہے، جس کے معنی نشان لگانا یا داغ لگانا ہیں اور موسم ایسی جگہ کو کہتے ہیں جہاں لوگ جمع ہوں۔ اس لئے مواسم الحج سے مراد زائرین کے وہ بازار بھی ہیں، جو مکہ میں منیٰ، عرفات، عکاظ، مجنۃ اور ذوالمجاز کے مقامات پر لگتے تھے۔ (۱۲) انہیں معنوں میں یہ اصطلاح حدیثؐ میں بھی مستعمل ہے۔ ان بازاروں اور حج کے اوقات میں کوئی خاص فرق نہ ہوتا تھا اس لئے ان کو مواسم الحج کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ بقول مشہور عالم لغت ابن منظور ان بازاروں کو مواسم کہنے کی وجہ یہ تھی کہ لوگ ان مقامات پر جمع ہوتے تھے۔ اپنا کاروبار کرتے تھے اور مواسم الحج میں بھی حاضر ہوتے تھے۔ حج کو موسم اس لئے کہا جاتا تھا کہ یہ ایسی جگہ تھی جو معلوم و معروف ہوتی تھی اور جہاں کسی شے کا حصول ممکن تھا اور جہاں لوگ جوق در جوق آتے تھے۔ اسی وجہ سے مواسم دراصل اسلام سے قبل عربوں کی منڈیاں تھیں۔ (۱۳)

عربوں کے ہاں رجب، محرم، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ شہور حرام کہلاتے تھے۔ ان چار مہینوں میں قتل و جدال حرام سمجھا جاتا تھا اور کسی حد تک امن قائم ہو جاتا تھا۔ اس کی وجہ سے مختلف قبائل اور مختلف لوگوں کے درمیان تجارتی تعلقات بڑھے اور اس طرح بالواسطہ طور پر ان بازاروں کے ارتقاء میں مدد ملی۔ ابن ہشام (المتوفی ۲۱۸ھ) ایک اور ادارے بَسل کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بعض اوقات عربوں کو امن کے پورے آٹھ مہینے میسر آجاتے تھے۔ وہ جن علاقوں کی طرف چاہتے بلا خوف و خطر سفر کر سکتے تھے۔ (۱۴)۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ امن کے یہ آٹھ مہینے شمالی عرب کے مشہور قبیلوں بنو غطفان اور بنو قیس کے لئے مخصوص تھے۔ (۱۵)۔ تجارتی لحاظ سے یہ قبیلے بہت اہمیت رکھتے تھے کیوں کہ شمال میں واقع منڈیوں اور تجارتی شاہراہوں پر ان کا کافی اثر و نفوذ تھا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سال کے بیشتر حصے میں جزیرہ نما عرب میں امن رہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ قرون وسطیٰ کے عرب بازار نہایت اہم تجارتی ادارے بن چکے تھے۔

شروع میں غالباً یہ بازار اس لئے وجود میں آئے ہوں گے کہ کسی خاص قبیلے یا علاقے کی پیداوار کا مبادلہ

کسی دوسرے قبیلے کی اشیاء سے ہو۔ یہ معاشی عمل اُن معاشروں میں عام تھا جہاں معیشتِ زر پوری طرح مروج نہ تھی۔ عرب کے مختلف علاقوں کی پیداوار کی تجارت جس میں جنوبی عرب کی لوبان، یثرب کی کھجوریں، طائف کے انگور، خیبر کے مویشی خاص طور پر مشہور تھے، صرف مبادلے کے ذریعے ہی سرانجام پا سکتی تھی۔ اس لئے یہ بات قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے کہ عرب منڈیوں کی ابتداء اسی تجارتی عمل کا لازمی نتیجہ تھی۔ بعد میں عرب معیشت میں زر کے تدریجی استعمال سے تجارت کو جو مزید ترقی نصیب ہوئی، اس کی وجہ سے یہ مفروضہ قائم کیا جا سکتا ہے کہ تجارتی اعتباری زر (MERCANTILE CREDIT) کا استعمال ان عرب منڈیوں کے تجارتی ارتقاء کا نقطۂ عروج تھا۔ کیونکہ دور دراز علاقوں میں تجارتی سفروں کے لئے سرمایہ کاری کی اہمیت اور بین الاقوامی مالی ادائیگیوں میں سہولت کو پیشِ نظر رکھے بغیر تجارت آگے نہیں بڑھ سکتی۔ لیکن اس ضمن میں ضروری مواد نہ ملنے سے کوئی بات حتمی طور پر نہیں کہی جا سکتی۔

قدیم عربی ماخذوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی تجارت عرب اور مبادلۂ اشیاء کی جس کی تفصیل آگے آئے گی، صرف بین القبائلی معاشی اور تجارتی تعلقات تک محدود تھے۔ ایک ہی قبیلے اور خاندان کے افراد باہم تجارت نہیں کرتے تھے۔ مشہور المانی ماہرِ عمرانیات میکس ویبر (MAX WEBER) نے قدیم معاشروں کے مبادلاتی ارتقاء کے متعلق جو عام نظریہ قائم کیا ہے، وہ عربوں کی اس بین القبائلی تجارت کے بارے میں بھی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ قدیم معاشروں میں جو تجارت ہوتی تھی، وہ ایک خارجی مظہر کی حیثیت رکھتی تھی۔ اور وہ صرف مختلف گروہوں اور قبائل کے درمیان ہوتی تھی۔ اس تجارت کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ چند قبائل کسی خاص پیداوار میں مہارت حاصل کر لیتے تھے جس سے تجارتی عمل کو تحریک ملتی تھی۔ اس کی دو صورتیں ہوتی تھیں۔ پہلی صورت تو یہ تھی کہ قبائل اپنی اپنی اشیاء کا مبادلہ باہم کر لیتے تھے۔ دوسری صورت میں ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کی اشیاء حاصل کر کے تیسرے قبیلے تک پہنچاتا تھا۔ غرضیکہ قدیم تجارت مختلف بیرونی قبائل کے مبادلاتی تعلقات پر مشتمل ہوتی تھی۔ (۱۶)

مقامی اور موسمی بازار

مختلف روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے قبل کی تجارت کا ایک بڑا حصہ اپنے مقامی خارجی پہلوؤں میں اسی بین القبائلی خارجی تجارت پر مشتمل تھا۔ حکیم ابن حزامؓ مشہور صحابی، بہت تاجر تھے۔ ان کی ایک روایت کے مطابق اہلِ قریش کے تجارتی اور معاشی معاملات کے لئے

تین بازار تھے :۔ عکاظ، مجنۃ اور ذوالمجاز۔ اُنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہاں مختلف قبائل سے خطاب فرماتے اور ان کو اسلام کی دعوت دیتے دیکھا تھا۔ (۱۷)۔ مختلف قبائل کا اجتماع اسی بین القبائلی تجارت پر دلالت کرتا ہے۔ المرزوقی (المتوفی ۴۲۱ھ) لکھتے ہیں کہ جزیرہ نما عرب کے تمام علاقوں کے عرب قبائل ان بازاروں میں حاضر ہوتے تھے (۱۸) یعقوبی بیان کرتے ہیں کہ عرب کا ہر قبیلہ اپنے شاعر کو ہمراہ لاتا تاکہ ان ادبی مقابلوں میں حصہ لے سکے جو ہر سال ان بازاروں میں اور مواسم الحج کے موقع پر ہوتے تھے۔ تمام عرب قبائل اور عشائر ان بازاروں میں جمع ہوتے اور ایک عرصہ تک وہاں قیام کرتے۔ (۱۹)۔ ان بازاروں اور علاقائی منڈیوں کے انعقاد کے لئے جگہ اور وقت متعین ہوتے تھے۔ عام طور پر حج کے اوقات اس مقصد کے لئے مخصوص تھے۔ کیونکہ اُس وقت تمام قبائل اِس قابل ہوتے کہ اپنی سال بھر کی پیداوار اپنے ہمراہ لاسکیں تاکہ وہاں اس کو فروخت کر کے یا باہم مبادلہ کر کے اپنی احتیاجات پوری کریں۔ مؤرخین نے ان منڈیوں اور بازاروں کی اصل تعداد، وہ مقامات جہاں وہ منعقد ہوتے تھے، ان کو اور اُن کی میعاد کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔

المرزوقی کا خیال ہے کہ عرب بازار دو قسم کے ہوتے تھے۔ اوّل شہورِ حرام کے چار مہینوں کے دوران میں منعقد ہونے والے بازار اور دوسرے وہ بازار جو باقی آٹھ مہینوں کے دوران میں لگتے تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عربوں کی تجارتی سرگرمیاں صرف انہیں چار مہینوں تک محدود نہ رہتیں بلکہ سارا سال جاری رہتی تھیں۔ فرق صرف یہ تھا کہ زمانۂ امن میں سامانِ تجارت کی نقل و حمل بڑی سرعت سے عمل میں آتی تھی اور دیگر ایام میں یہ رفتار سُست پڑ جاتی، جس کا اثر تجارت کی گرم بازاری پر پڑتا۔ لیکن جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے ان آٹھ مہینوں میں عربوں کی تجارتی سرگرمیاں بالکل ختم نہیں ہو جاتی تھیں۔ المرزوقی ان بازاروں کی کل تعداد تیرہ بتاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ان میں بعض بازار ایسے تھے جو صرف امن کے چار مہینوں میں منعقد ہوتے تھے، اور بعض اس نوعیت کے ہوتے تھے کہ ان کا انعقاد دورانِ امن میں ممکن نہ ہوتا۔ اہلِ عرب ایسے بازاروں کو دوسرے مہینوں کے لئے اُٹھا رکھتے تھے۔ لیکن ان میں تجارتی سامان لے کر جانا خطرناک ہوتا تھا کیونکہ حفاظتی دستے یعنی خفارہ کے بغیر وہاں پہنچنا اور پھر کاروبار کرنے کے بعد واپس آنا مشکل ہوتا تھا۔ (۲۰)

دوسری روایتوں سے بھی اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ امن میں ہونے والے موسمی بازاروں کے علاوہ تجارتی مقامی اور علاقائی منڈیاں سارا سال قائم رہتی تھیں اور وہاں کاروبار ہوتا تھا۔ الازرقی اور الہمدانی

(المتوفی ۳۳۴ھ) یمن کے ایک ایسے ہی بازار الجند کا نام بتاتے ہیں۔ (۲۱) الہمدانی کتاب صفۃ جزیرۃ العرب میں ہمدان کے علاقائی بازاروں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:" علاقہ حاشد کا اولین اور قدیم ترین بازار ھلی تھا۔ یہ بازار عہد جاہلیت میں لگتا تھا۔ اور اس کے علاوہ صافر۔ الفاقعہ، الاھنوم، الظہر، قطابہ، العرقہ، عیان، طمام، الحرقہ کے بازار بھی تھے۔ تہامۃ، مکہ، عسیر اور ہمدان کے تمام علاقے کے لوگوں کے لئے الجریب کا بازار تھا۔ الحجور کے بازار کا نام المخلفۃ تھا جہاں اہل تہامۃ اور اہل جبال تجارت کا سامان لے کر جاتے تھے۔ (۲۲) تہامۃ میں ایک اور بازار جزیرہ زیلع تھا جہاں حبشہ کی بکریاں فروخت کے لئے لائی جاتی تھیں۔ (۲۳)

الازرقی کے قول کے مطابق اہل عرب کے مشہور بازار چھ تھے:۔ عکاظ، مجنۃ، ذوالمجاز، عرفات، منٰی اور حباشہ۔ ابن حبیب (المتوفی ۲۴۵ھ) کتاب المحبر میں ان کی تعداد بارہ بتاتے ہیں:۔ یعنی دومۃ الجندل، المشقر، صحار، دبا، الشحر مہرۃ، عدن، صنعاء، الرابیۃ، عکاظ، ذوالمجاز، نطاۃ خیبر اور حجر الیمامۃ (۲۴)۔ المرزوقی نے اس فہرست میں ان تین بازاروں کا اضافہ کیا ہے:۔ اذرعات، البصریٰ اور دیر ایوب۔ شام کے یہ تینوں تجارتی مرکز شراب، روغن اور غلے کی پیداوار کے لیے مشہور تھے اور اہم تجارتی شاہراہوں پر واقع تھے۔

الہمدانی کہتے ہیں کہ عرب بازار تعداد میں گیارہ تھے:۔ عدن، مکہ، الجند، نجران، ذوالمجاز، عکاظ، بدر، مجنۃ، منٰی، حجر الیمامۃ اور ھجر البحرین۔ لیکن یعقوبی ان کی تعداد دس بتاتے ہیں۔ محمود شکری الالوسی بلوغ الارب میں حضرموت کے بازار کو شامل کر کے ان کی تعداد بارہ بتاتے ہیں۔

گو ان بازاروں کی صحیح تعداد کے بارے میں مورخین میں اتفاق نہیں لیکن ان بازاروں کے حالات بیان کرتے وقت وہ ایک ہی سی زبان استعمال کرتے ہیں۔ کبھی اُن کو اسواق العرب المشہورۃ فی الجاھلیۃ کا نام دیا جاتا ہے۔ کبھی الاسواق الکبیرۃ اور الاسواق القدیمۃ کے ناموں سے ان کو موسوم کیا جاتا ہے۔ جن بازاروں کی تفصیل تاریخ کی کتابوں میں درج ہے، دراصل وہ قدیم اور مشہور ترین بازار ہوا کرتے تھے۔ عرب قدیم میں تجارت کی وسعت سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عرب میں بازاروں کا ایک جال بچھا ہوا تھا۔ موسمی اور مستقل نوعیت کی منڈیاں سارا سال قائم رہتی تھیں۔ تجارتی شاہراہوں کے قریب تجارتی قافلوں کے لئے جو آرام گاہیں بنی ہوئی تھیں، وہاں مقامی بازاروں کا لگنا ایک فطری امر تھا۔ پھر زمانہ قدیم سے حج عربوں کی معاشی اور سماجی زندگی

میں نہایت اہم کردار ادا کر رہا تھا۔ اس کی وجہ سے تجارت ایک نظام کی صورت اختیار کر چکی تھی جس میں عرب کے تمام تجارتی مراکز باہم مربوط تھے۔

سعید الافغانی نے اپنی کتاب "اسواق العرب فی الجاھلیۃ والاسلام" میں بالکل صحیح لکھا ہے کہ عرب میں بازاروں اور منڈیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ قدیم مؤرخین نے صرف مشہور و معروف بازاروں کے حالات بتانے پر ہی اکتفا کیا ہے۔ جزیرہ نما کے ہر حصے میں ان بازاروں کا ہونا اور کسی خاص پیداوار میں مہارت رکھنا ایک قدرتی بات تھی۔ یہ بازار ان مقامات پر عام ہوتے، جہاں پانی دستیاب ہو جاتا تھا۔ مؤرخین کی ان تمام بازاروں سے لاعلمی کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ان مقامی بازاروں میں رسائی عام نہ تھی اور لوگ صرف مشہور بازاروں تک ہی جاتے تھے۔ (۲۵)۔

اسلام سے قبل عرب میں ہر قسم کے بازار موجود تھے، جہاں چھوٹے اور بڑے پیمانے پر تجارت ہوتی تھی۔ قبائل کی معاشی زندگی کا تمام تر دارومدار اسی تجارت پر تھا۔ قبل از اسلام عربوں کے معاشی اور تجارتی نظام کا ارتقاء ایک نہایت ہی دلچسپ موضوع ہے اور اسلامی نقطۂ نظر سے نہایت اہم بھی۔ لیکن بحیثیت ایک معاشی نظام کے اس موضوع پر بہت کم لکھا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر جواد علی کی کتاب العرب قبل الاسلام ایک قابلِ قدر کوشش ہے لیکن اس میں کسی معاشی نظام کا پتہ نہیں چلتا۔ لامنس نے بھی اسی موضوع پر بہت کچھ لکھا ہے لیکن اس کے ہاں بھی کوئی نظام تلاش کرنا مشکل ہے۔ (باقی)

حوالہ جات

۱۔ فلپ کے ہٹی۔ تاریخ العرب (لندن ۱۹۶۰ء) ص ۶۔

۲۔ الطبری۔ تاریخ الرسل والملوک (۱۹۶۴ء) جز ۳ ص ۱۰۸۸ تا ۱۰۸۹۔

۳۔ الأزرقی۔ اخبار مکۃ۔ جز ۱ (مکہ ۱۳۵۲ھ) ص ۴۵ تا ۴۶۔

۴۔ البہبیتی۔ البیئۃ اللتی نشاء فیھا الشعر الجاھلی۔ (المجلۃ کلیات الادب) XIV مئی ۱۹۵۲ء ص ۹۔

۵۔ SCBOFF, V.H. (TRANSLATION) THE PERIPLUS OF THE ERYTHRACAN SEA, NEW YORK 1912. P.P. 29, 30

۶۔ ایضاً ص ۳۰

۷ - ابن منظور، لسان العرب ـ جز ۱۰ ـ ص ۱۶۷ تا ۱۶۸ ـ

۸ - انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنسز نیویارک (۱۹۵۹ء) مضمون 'FAIRS'

۹ - HERBERT HEATON ECONOMIC HISTORY OF EUROPE (LONDON 1965) P.P. 169, 170

۱۰ - الأزرقی ـ اخبار مکۃ ـ ص ۱۲۱ تا ۱۲۳ ـ

۱۱ - یاقوت ـ معجم البلدان ـ جز ۶ (مصر ۱۹۰۶ء) ص ۲۰۳ ـ

۱۲ - الأزرقی ـ اخبار مکۃ ص ۱۲۳ ـ

۱۳ - ابن منظور ـ جز ۱۲ ـ ص ۶۳۶ ـ

۱۴ - ابن ہشام ـ سیرۃ النبیؐ ـ جز ۱ (مطبعۂ حجازیہ مصر) ص ۱۱۴ ـ

۱۵ - الفیروز آبادی ـ قاموس اللغت (بمبئی ۱۲۷۲ھ) ص ۶۵۸ ـ الزبیدی ـ تاج العروس ـ ج ۷ ـ

۱۶ - MAX WEBER - GENERAL ECONOMIC HISTORY (TR. F. H. KNIGHT) (NEW YORK 1961) P. 151

۱۷ - زبیر ابن بکار ـ جمہرۃ نسب قریش و اخبارھا ـ جز ۱ (قاہرہ ۱۳۸۱ھ) ص ۳۶۸ ـ

۱۸ - المرزوقی ـ کتاب الازمنۃ والامکنۃ ـ جز ۲ (حیدر آباد دکن ۱۳۳۲ھ) ص ۱۶۱ تا ۱۶۲ ـ

۱۹ - الیعقوبی ـ تاریخ ـ ج ۱ (بیروت ۱۹۶۰ء) ص ۲۶۲ ـ

۲۰ - المرزوقی ـ ص ۱۶۱ ـ ۱۶۲ ـ

۲۱ - الأزرقی ـ ص ۱۶۷ ـ الھمدانی ـ کتاب صفۃ جزیرۃ العرب ـ ص ۱۷۹ ـ ۱۸۰ ـ

۲۲ - الھمدانی ـ ص ۱۱۳ ـ

۲۳ - ایضاً ـ ص ۵۲ ـ ۵۳ ـ

۲۴ - ابن حبیب ـ کتاب المحبر (حیدر آباد دکن سنہ ۱۹۴۲ء) ص ۲۶۳ ـ ۲۶۸ ـ

۲۵ - سعید الافغانی ـ اسواق العرب فی الجاہلیۃ والاسلام ـ (دمشق سنہ ۱۳۵۶ھ) ص ۱۸۲ ـ